

الْهَيْئِ اثْنَيْنِ

(دو خدا)

ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُْوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ..... (۱۶)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھنا! تم کہیں دو الہ نہ بنالینا۔ الہ وہی ایک ہے۔

یہ آیت بڑی عظیم و جلیل ہے جس کا تعلق منکرینِ خدا سے نہیں۔ خدا کے ماننے والے، ہم مسلمانوں سے ہے۔ یہ کفر و اسلام میں خطر امتیاز اور شرک اور توحید میں حدِ تقریق ہے۔

لیکن اس کی عظمت و جلالت۔ اس کی تمکیت اور اہمیت اسی صورت میں سمجھ میں آسکتی ہے جب الْهَيْئِ کا مفہوم سمجھ میں آجائے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم شروع سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ اسلام کی گاڑی کو دوسری (غیر اسلامی) پیڑھی پر ڈالنے کے لئے ترکیب یہ اختیار کی گئی کہ قرآن کی مطلقاً کامفہوم بدل دیا گیا۔ دین کی عمارتِ الہ کے صحیح مفہوم پر استوار ہوتی ہے۔ اس کے معنی ہیں، صاحبِ اقتدار۔ حاکمِ مطلق۔ واحد حکمران (اسی سے اللہ ہے۔ اور الہین کے معنی ہیں دو الہ)۔ یہ مفہوم اس نے خود ہی واضح کر دیا۔ پہلے کہا کہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (۱) اے رسول! اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کر دو کہ حقِ حکومت صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اور اس کی وضاحت میں کہہ دیا کہ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ..... (۱۶) وہ اپنے حقِ حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اس میں "أَحَدٌ" کا لفظ بڑا اہم ہے۔

یعنی اس میں کسی کی بھی استثنائے نہیں۔ خدا کے سوا کسی کو حقِ حکومت سہل نہیں۔ کیسے باشد! مَا كَانَ لِشُرَكَائِكَ أَنْ يَنْبَغِيَهُ اللَّهُ الْأَلَكُوتُ وَالْخُكْمُ وَالشُّعْبَةُ ثُمَّ يَقُولُ فَلَنَأْتِيَنَّكُمْ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ..... (۲۹)

کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں۔ خواہ وہ ضابطہ و قوانین کا حامل ہو۔ خواہ اس کے سپرد انتظامیہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ نبی بھی کیوں نہ ہو، اسے اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ سے ورے میرے محکوم بن جاؤ۔

اگر کوئی ایسا کہے گا۔ یا ایسا سمجھے گا تو وہ شرک کا مرتکب ہوگا۔

لہذا، صرف خدا کے احکام کی اطاعت کرنا تو حید ہے۔ اور اس کے ساتھ کسی اور کے احکام کی اطاعت کرنا شرک ہے۔ رسول بھی، اپنی امت سے خدا کے احکام کی اطاعت کراتا تھا۔ اپنے احکامات کی نہیں، کیونکہ ایسا کرنا شرک ہو جاتا۔ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ..... پر اس کا ایمان محکم ہوتا تھا، اور اس پر عمل کرنا اور کرانا اس کا دین۔

لیکن جب اسلام کو دوسری ٹہری پر ڈال دیا گیا تو اللہ کے معنی ہو گئے "وہ جس کی پرستش کی جائے"۔ محکومیت کی جگہ پرستش کے لفظ نے دین کا سارا نظام الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ اب "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" کے معنی ہو گئے۔ "خدا کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں"۔ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کے معنی ہو گئے پرستش صرف ایک خدا کی جائز ہے۔ مفہوم کی اس تبدیلی سے توحید کے معنی ہو گئے صرف خدا کی پرستش کرنا۔ اور شرک کے معنی ہو گئے بت پرستی۔ اور چونکہ مسلمان بت پرستی نہیں کرتے اس لئے ان کے توحید پرست ہونے میں شبہ ہی نہ رہا۔ اب ہمارے ہاں شرک اور توحید کی فرقہ دارانہ بحثوں کا موضوع ہوتا ہے، قبروں پر جانا، مردوں سے دعا لیں مانگنا۔ مزاروں پر چراغاں کرنا، عرس کرنا۔ نذر نیا دینا۔ یہ شرک ہے۔ جو ایسا نہ کریں وہ مؤخر ہیں! یہ سوال ہی نہیں کہ محکومیت کس کی اختیار کی جا رہی ہے؟ اطاعت کس کے احکام کی جاتی ہے!

اس تہید کے بعد آگے بڑھیے۔ قرآن نے کہا ہے کہ

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌُ..... (۳۳)

خارجی کائنات میں بھی اقتدار اسی کا ہے اور انسان کی ارضی زندگی میں بھی اسی کا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنے دائرہ اقتدار کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس میں بھی ایک اہم حقیقت مضمون ہے۔ خارجی کائنات جن قوانین فطرت کے مطابق سرگرم عمل ہے، وہ کسی انسان کے وضع کردہ نہیں۔ خدا ہی کے متعین فرمودہ ہیں۔ لیکن (وہ کہتا ہے کہ) انسانوں کی کیفیت یہ ہے کہ یہ خارجی کائنات میں تو اس کے قوانین کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اپنی (ارضی) زندگی کے لئے اور اللہ تجویز اور اختیار کر لیتے ہیں۔ عصر حاضر کے محققین ہی کی یہ کیفیت نہیں کہ وہ قوانین فطرت کی محکمت اور صداقت پر سر دھنتے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن کے دانشوروں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد مقامات میں دہرایا ہے۔ (مثلاً) سورۃ العنکبوت میں ہے۔

اگر ان سے پوچھو کہ اہل و سادات کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کس کے قانون کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں تو یہ اقرار کریں گے کہ اللہ ہی نے ایسا کر رکھا ہے۔

یا ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو بادلوں سے مینہ برساتا اور پھر اس سے زمین مردہ کو زندہ کرنا زندگی عطا کرتا ہے۔ تو یہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ سب کچھ

خدا ہی کرتا ہے۔ (۲۹-۴۱) نیز (۸۸-۸۹) نیز (۳۹) نیز (۲۳)۔

ان کے ان اعترافات کے بعد وہ ان سے کہتا ہے کہ جب تم کائنات کی وحدت کے قائل ہو۔ اور اس کے

بھی معترف ہو کہ ال میں خدا ہی کے قوانین کا رفرما ہیں تو پھر اپنی ارضی زندگی کو اس سے الگ کس طرح کر سکتے ہو! جس طرح اس کے قوانین خارجی کائنات میں کا رفرما ہیں اسی طرح انہیں تمہاری ارضی زندگی میں بھی نافذ العمل ہونا چاہیئے۔ لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ

آيَاتُ خُذُوا إِلَهَاتِكُمْ قِيَمَاتُ الْأَمْنِ هُمْ يَنْشُرُونَ (۲۱)

یہ اپنی ارضی زندگی کے لئے اور آلہ اختیار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

زندگی کو انہی کے قوانین اور پروگراموں کے مطابق پھیلنا اور آگے بڑھنا چاہیئے۔

اور اس کی تردید میں ہر بھی دلیل یہ دی کہ قَدْ كَانَتْ فِيهَا إِلَهَاتُ إِلَّا اللَّهُ لَقَدْ سَوَّاهُ (۲۲) اگر کائنات میں ایک آلہ کے بجائے بہت سے آلہ ہوں، جن کے اپنے اپنے قوانین نافذ العمل ہوں، تو کائنات کا سارا سلسلہ تہس نہس ہو جائے۔

یہاں تک یہ حقیقت ہمارے سامنے آئی کہ اگر (۱) خدا کو محض پرستش کی شے تسلیم کر لیا جائے۔ یا (۲) اس کے کائناتی قوانین کی حقانیت کا اعتراف کر لیا جائے، لیکن انسان زندگی کے لئے انسانوں کے خود ساختہ قوانین تسلیم کیے جائیں، تو یہ وہ نظام ہوگا جسے آج کی اصطلاح میں سیکولر ازم کہا جاتا ہے۔ سیکولر ازم میں تینوں گروہ شامل ہو جاتے ہیں۔ یعنی (۱) خدا کی ہستی ہی کے منکر۔ (۲) اس کے وجود کے تو معترف لیکن اس کا دائرہ اقتدار صرف خارجی کائنات تک محدود رہنے والے۔ اور (۳) خدا کے قائل لیکن اسے صرف ایسی ہستی سمجھنے والے جس کی پرستش کی جائے۔

ارضی زندگی میں یہ تینوں گروہ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے قائل ہوتے ہیں۔ اگر یہ اس زندگی میں خدا کے قوانین کو بالکل شامل نہیں کرتے تو انہیں کافر کہا جائے گا، اور اگر خدا کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین بھی شامل کرتے ہیں تو مشرک کہلا لیں گے کیونکہ یہ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِمْ أَحَدًا..... کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ہم (مسلمانوں) کا شمار اسی گروہ میں ہوتا ہے۔ ہم بعض احکام خدا کے مانتے ہیں اور (ان کے ساتھ) بعض انسانوں کے وضع کردہ۔ اس طرح ہم الْهَاتَيْنِ اِشْتَيْنِ کے عمل پریدار ہیں۔ واضح رہے کہ خدا نے کہا تھا کہ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا..... وہ اپنے حق حکومت میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اس لئے احکام شریعت وضع کرنے والے کوئی بھی ہوں، خدا انہیں اپنا شریک قرار دیتا ہے۔ انہی کے متعلق وہ کہتا ہے کہ اَمْ تَحْمِلُهُمْ كُفْرًا شَرَعْنَا لَهُمْ قِيَمَاتُ السَّيِّئِينَ مَا لَكُمْ بِأَذْنِ يَوْمِ اللَّهِ..... (۲۳) کیا ان لوگوں نے خدا کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے احکام شریعت وضع کرتے ہیں، حالانکہ خدا نے کسی کو اس کی اجازت نہیں دی؟ یہ کون ہیں جو احکام شریعت وضع کر کے خدا کے حق حکومت میں شریک ہو جاتے ہیں؟ فرمایا: یہ علماء و مشائخ ہیں۔ اَتَخَذُوا آخْبَارَهُمْ قِيَمَاتُ الْبَاطِلِ قِيَمَاتُ اللَّهِ..... (۲۴) ان اہل اور بہان (فقہاء و مشائخ) کی عقیدت ان کے دلوں میں اس قدر اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ اگر انہیں خدا کا ہمسر قرار نہ دیا جائے تو یہ سخت برہم ہو جاتے ہیں۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآخِرَةِ
وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ (۳۹)

جب ان کے سامنے خدا کے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کے ماسوا (ان کے احباب و رہبان کا) ذکر کیا جاتا ہے تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

آپ ان کی محفلوں اور مجلسوں، مکتبوں اور درالعلوموں میں جا کر دیکھئے۔ خدا کا نام تو محض برائے
اذن بیت (برائے کرا) لیا جائے گا۔ تمام تذکرے انہی علماء اور فقہاء کے لئے جائیں گے۔ آپ ان کی احکام شریعت
کی کتابوں کو دیکھئے۔ دس دس، بیس بیس درجہ ان سے بھی زیادہ، ضمیمہ جلدوں پر مشتمل لیکن سب انہی
فقہاء حضرات کے احکام و فتاویٰ پر مبنی۔ قرآن کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مجمل اور نامکمل ہے۔ اس کی
تکمیل انہی احکام شریعت سے ہوتی ہے۔ ذلکُمْ بَيِّنَاتٌ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۚ وَإِنْ
يُشْرِكْ بِهِ ثُمَّ تُؤْمِنُوا..... (۳۹) یہی وجہ ہے کہ جب انہیں خدا کے واحد و لاشریک کی طرف
دعوت دی جاتی ہے تو یہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ ایمان اس وقت لاتے ہیں جب اس کے ساتھ ان
(فقہاء اور علماء) کو بھی شریک کیا جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ یاد رکھو..... فَاتَّخِذُوا لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝
(۳۹) احکام صادر کرنے کا حق اور اختیار صرف خدا کو حاصل ہے جو سب پر غالب اور کبریا کی
سزا دار ہے۔ اس میں کسی اور کو شامل کر لینا کفر ہے۔ لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۚ
جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے، احکام خداوندی میں انسانوں کے خود ساختہ احکام شریعت کو شامل
کر لینے سے ہم عملاً الشَّكِينِ (دو خداؤں) کے پیروکار ہو رہے ہیں۔ اس کی بے شمار مثالیں دی
جاسکتی ہیں۔ لیکن ہم یہاں چند ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ شرکاء کے احکام

۱۔ خدا کے واحد کے احکام

(۱) غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی مزا بے شک
سوڈرے ہے لیکن شادی شدہ کی سزا سنگسار
ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکم خداوندی نامکمل
تھا۔ اس کی تکمیل اس غیر خداوندی حکم کو
ساتھ ملانے سے کی گئی۔

(۱)۔ زانی مرد اور عورت کی مزا سوڈرے ہے۔

(۲) وصیت صرف ایک تہائی مال کے متعلق کی جا
سکتی ہے۔ اور وہ بھی ورثاء کے حق میں نہیں۔
(یہ حکم خداوندی کے خلاف اور علی السبیل
مبادل حکم ہے)۔

(۲) مرلے والا، اپنے پورے ترکہ کے متعلق جس کے
حق میں جی چاہے وصیت کرے۔ یہ حکم
خداوندی ہے۔ اور تمام مومنین پر فرض۔

(۳) غلاموں اور لونڈیوں کو خدا نے ختم کر دیا۔
(۴) بلا تعداد جس قدر جی چاہے لونڈیاں رکھی جا سکتی ہیں (یہ خدا کے واحد کے خلاف بناوٹ نہیں تو اور کیا ہے)۔

(۴) مذہب (اسلام) کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ جس کا جی چاہے اسلام لے آئے جس کا جی چاہے کفر اختیار کر لے۔
(۴) مذہب کی تبدیلی کرنے والے مسلمان (مزند) کی سزا موت ہے۔ (یہ خدا کے حکم سے صریحاً سرکشی ہے)۔
مثالیں تو اور بھی دی جا سکتی ہیں لیکن ان کی ضرورت نہیں۔ خدا کے کسی ایک حکم کے بالمقابل دوسرا حکم آجائے تو شرک کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

(۵)

فقہاء کے قوانین سازی کے حق کا سوال ہمارے دس شروع سے متنازعہ فیہ چلا آتا ہے۔ اہل حدیث حضرات ان کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن جہاں تک اطاعت رسول کا تعلق ہے، اسے بلا واسطہ یا بلا واسطہ متفق علیہ کہا جاتا ہے۔ اور یہی سوال ہے جس کے صحیح طور پر نہ سمجھنے سے اُمت میں اس قدر اختلافات، تفرقات، اور الجھاؤ پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں اور کوئی حکومت کوئی ایسا ضابطہ، قوانین مرتب نہیں کر سکتی جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اگر اس بنیادی نکتہ کو قرآنی روشنی میں سمجھ لیا جائے تو یہ ساری الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔

(۱) سب سے پہلے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ جب خدا نے کہا ہے کہ لَا يَشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ۔ تو اس میں کسی کی بھی استثنائے نہیں کی گئی۔ اس کے معنی ہیں کہ قانون سازی (حکومت) کا حق، اور تو اور رسول کو بھی حاصل نہیں تھا۔ اس کی وضاحت آیت (۳) میں کر دی جہاں کہا کہ نبی کو بھی اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں کو اپنے احکام کا محکوم بنائے۔ (یہ آیت پہلے درج کی جا چکی ہے)۔

(۲) حضور کو خدا کا حکم تھا کہ آپ لوگوں سے احکام خداوندی کی اطاعت کرائیں۔ فَأَحْكُمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ..... چنانچہ حضور دوسروں سے بھی احکام خداوندی کی اطاعت کراتے تھے، اور خود بھی انہی احکام کا اتباع کرتے تھے۔ إِنِّي أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ..... (۴)

(۳) مقام اطمینان ہے کہ خود اہل حدیث حضرات بھی اب اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں کہ قانون سازی کا حق صرف خدا کو حاصل ہے۔ رسول کو بھی نہیں۔ طلوع اسلام کی اسی اشاعت میں دوسری جگہ، ماہنامہ محدث پر تفصیلی تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اس میں سے دو ایک اقتباس یہاں مکرر درج کئے جاتے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ

نظام خلافت میں مقتدر اعلیٰ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ دسی ہر چیز کا مالک اور قانون ساز ہے۔ ملت اسلامیہ اور انسانیت کا فلاح و بہبود کے بنیادی قوانین اللہ تعالیٰ خود بذریعہ انبیاء و اسلاف کو بتلاتا ہے ایسی قانون سازی کا اختیار کسی نبی کو بھی نہیں ہوتا۔ (ص ۱۹۹)

ذرا آگے چل کر تحریر ہے۔

اسلام میں نقطہ نظر سے کسی فرد یا ادارہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدائی قوانین میں ترمیم
تسلیم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز ہے۔ کسی دوسرے کو قانون سازی کا اختیار حاصل نہیں۔

اور نہ خدا کے بنائے ہوئے قانون میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ نبی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ (فصل)

یہ اعتراضات ان تمام الجھنوں کو حل کر دیتے ہیں جو کتاب و سنت کے باب میں لاپنجل بن رہی ہیں۔ بایں ہمہ
ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اطاعت رسول کے سوال کو ذرا اور وضاحت سے بیان کر دیا جائے، اس باب میں
دو آیات غور طلب ہیں جنہیں خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَأْذِيَنِ اللَّهُ..... (۳۳)

رسولوں کو اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے۔

(۲) مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَّاعَ اللَّهَ..... (۳۴)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔

اسلام کو اگر ایک مذہب (سہرورد کا اپنا اپنا معاملہ) سمجھا جائے تو ان آیات سے ذہن میں الجھن پیدا ہو جاتی
ہے کیونکہ ان سے (فطر لظاہر) خدا اور رسول کی دو الگ الگ اطاعتوں کا تصور سامنے آتا ہے جو توحید
کے خلاف ہے۔ لیکن اسلام، مذہب نہیں۔ وہ نظام حکومت ہے اور نظام حکومت کی روشنی میں ان زاوہ
ان جیسی دیگر آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ نہ ہی کوئی الجھن باقی رہتی ہیں۔

نظام حکومت

کسی آئینی حکومت میں ہٹک کے چورا ہے پر کھڑا سپاہی جب کسی غلط راہ رو کو روک دے تو اشارے سے روکتا
ہے تو وہ اس سے اپنے حکم کی اطاعت نہیں کرتا۔ وہ اس حکم کی اطاعت کرتا ہے جسے نافذ کرنے کے لئے آ
جائے تعینات کیا گیا ہے۔ اسی مثال کو اوپر تک لے جائیے۔ سپاہی سے لے کر آئی۔ جی۔ پولیس تک سب قوانین
مملکت کی تعمیل کروانے کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ گورنر کی بھی حیثیت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ صدر مملکت کا
فریضہ بھی قانون مملکت کی تنفیذ ہوتا ہے۔ وہ بھی اہل مملکت سے قانون کی اطاعت کرتا ہے۔ اپنا حکم
نہیں منواتا۔ اور وہ قانون بھی خود اس کا وضع کردہ نہیں ہوتا۔ قانون ساز اتھارٹی کا مرتب کردہ ہوتا ہے۔
انسانی دنیا میں نظام خداوندی یہ ہے کہ لوگ اس کے قوانین کی اطاعت کریں۔ یہ قوانین اس کتاب
میں منضبط ہیں۔ لیکن کتاب کے الفاظ تو اپنی اطاعت نہیں کر سکتے۔ ان کی اطاعت کرانے کے لئے ایک
زندہ محسوس اتھارٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی کتاب کے ساتھ رسول بھیجتا
ہے (تھا) رسول کا مقصد لوگوں سے کتاب خداوندی کی اطاعت کرانا ہوتا تھا۔ اپنی اطاعت نہیں۔ یہ
ہے مفہوم مندرجہ بالا آیت (سہ) کا جس میں کہا گیا ہے کہ خدا اپنی اطاعت رسولوں کے ذریعے کرتا ہے۔
جو شخص طریقہ کے سپاہی کے حکم کی اطاعت کرتا ہے وہ اس سپاہی کی اطاعت نہیں کرتا۔ وہ

درحقیقت اس اقتدار کی اطاعت کرنا ہے جس کی اطاعت کا حکم وہ سپاہی دیتا ہے۔ اس سے اس آئیہ جلیلہ کا مفہوم (بلا تخیل) واضح ہو جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ (یہ) اسی نظام اطاعت کو حضور نبی اکرمؐ نے ان چند جامع الفاظ میں سمو کر فرمادیا کہ من اطاعنی فقد اطاع اللہ۔ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی۔ (بخاری۔ کتاب الاحکام)

جس نے میری اطاعت کی اس نے (درحقیقت میری نہیں بلکہ) اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے (اس امیر کی نہیں بلکہ درحقیقت) میری اطاعت کی۔ ایک آئینی اور نظامی حکومت میں اطاعتوں کا یہی سلسلہ نیچے سے اوپر تک مسلسل چلتا ہے لیکن یہ قانون ان گزلیوں (عمال حکومت) میں سے کسی کی نہیں ہوتی۔ یہ سب قانون کی اطاعت کرتے ہیں۔ حکومت خداوندی میں یہ قانون خدا کا عطا فرمودہ ہوتا ہے اس لئے یہ اطاعت آخر الامر خود خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس باب میں اور تو اور خود حضور نبی اکرمؐ بھی اپنے آپ کو خدا کا عبد (محکوم) قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر یہ فرض محال ہو جس سے بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی ہو جائے تو مجھ سے بھی سخت مواخذہ ہوگا۔

خدا کی اطاعت کرانے کے لئے محسوس زبردہ اقتدار کی ضرورت کس قدر لایتنک ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ فرمایا خداوندی اور ارشادات نبویؐ دونوں میں "سمع اور طاعت" کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ یعنی "حکم کا سنا اور اس کی اطاعت کرنا۔" اِذْقُلْتُمْ سَمِيعًا وَاَطَعْنَا... (رہ) جب تم نے کہا کہ ہم نے حکم سن لیا ہے اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔ "سورۃ النور" میں ہے کہ "جماعت متوہبہ کا شیوہ یہ ہے کہ جب انہیں ان کے کسی معاملہ میں حکم دینے کے لئے بلایا جائے تو وہ کہتے ہیں۔ "سَمِيعًا وَاَطَعْنَا..." (۲۴) "ہم نے سنا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔" ارشاد نبویؐ ہے۔ "لا اسلام الا بجماعة ولا جامة الا بالارباب۔ ولا امیر الا بالسمع والطاعة۔ اسلام نام ہے جماعت (جمیعت اجتماع) کا۔ اور جماعت (جمیعت اجتماع) قائم ہوتی ہے۔ امیر (مرکز حکومت) سے راد اور امیر باقی رہتا ہے اس لئے کہ اس کے احکامات کو سنا جائے اور پھر ان کی تعمیل کی جائے۔

حضور کے عہد ہایوں میں اللہ کی اطاعت۔ رسول کی اطاعت اور امیر کی اطاعت سے یہی مفہوم تھا۔ یہ الگ الگ اطاعتیں نہیں تھیں۔ یہ اطاعت خداوندی کا عملی طریقہ تھا۔ جب تک امت... کی مرکزیت کا یہ نظام قائم رہا، اس قسم کے سوال ہی پیدا نہ ہوئے کہ خدا کی اطاعت کس طرح کی جائے اور رسول کی کس طرح۔ یا فقہاء اور علماء کی کس طرح؟ یہ انتشار اس وقت پیدا ہوا جب امت کی مرکزیت (خلافت علی منہاج رسالت) باقی نہ رہی۔ امام اور جماعت کا باہمی کیا تعلق ہوتا ہے، اور جماعت بلا امام کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ اس کا نقشہ کسی جمعہ کی نماز کے وقت شاہی مسجد (یا کسی اور جامع مسجد) میں جا کر دیکھئے۔ لاکھ آدمیوں کا مجمع، قطر در قطار صحن مسجد میں کھڑا ہے۔ قدم بقدیم۔ شانہ بشانہ۔ ایسے جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیواروں کے سامنے ایک امام ہوتا ہے۔ اس امام کی ایک آواز پر سب جھکتے ہیں۔ سب اٹھتے ہیں۔ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ سب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ کوئی اختلاف نہیں۔ کوئی انتشار نہیں۔ ذرا سا تفرقہ نہیں۔ یہ نتیجہ

تھا سمیع و طاعت کا۔

فرضوں کی غائز کے بند، وہی صحن مسجد ہوتا ہے۔ وہی غازی۔ اسی قسم کی غائز۔ لیکن صحن کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ کوئی کھڑا ہے۔ کوئی رکوع میں ہے۔ کوئی سجدہ میں ہے۔ کوئی بیٹھا ہے۔ کوئی سلام پھیر رہا ہے۔ کوئی جوتے اٹھائے صفیں چیرتا باہر نکل رہا ہے۔

وہی صحن مسجد جو ابھی ابھی، کامل آہنگی و یک رنگی کا حیرت انگیز منظر تھا، اب یکسر خلفشار و انتشار کا عبرت انگیز مرقع ہے اس کا سبب کیا ہے؟ صرف ایک امیر (مرکزیت) کی کمی۔ وہی سمیع و طاعت کا فقدان۔ بلکہ یوں کہئے کہ وہی سمیع کا فقدان، کیونکہ طاعت تو انفرادی طور پر، اب بھی ہو رہی تھی۔ صدیوں سے امت اسی لامرکزیت کا اشکار چلی آرہی ہے۔ اقبالؒ کے الفاظ میں:

ہنوز ایں چرخ نیلی کچھ خرام است ہنوز ایں کارواں دوران مقام است
نکار بے نقطہ ام ادھیہ گوئم قومی دانی کہ ملت بے امام است ! (ارنایں عجمان)

(۱) جن لوگوں کے نزدیک مذہب ایک پیشہ ہے، ہمارا ان سے خطاب نہیں۔

(۲) جن لوگوں کے نزدیک مذہب اپنی مفاد پرستی کا ذریعہ ہے، ہمارا ان سے بھی خطاب نہیں۔

(۳) جو لوگ جہالت اور تعصب کی تاریکیوں میں اس قدر ڈوب چکے ہیں کہ وہ کسی ایسی بات کے سننے کے لئے تیار نہیں جسے ہمارے چلے آرہے ہیں، ہمارا ان سے بھی خطاب نہیں۔

(۴) ہمارا خطاب ہے صرف ان ارباب قلب و نظر سے جو حقیقی اسلام کے احیاء کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں۔ اور ہر بات کو علم و بصیرت کی روشنی میں پرکھنے کے لئے تیار ہیں۔

ان حضرات کی خدمت میں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کا احیاء صرف ان عناصر سے وابستہ ہے۔

(۱) حاکمیت یا اطاعت صرف کتاب اللہ کی۔ اس کے ساتھ کسی اور کی حاکمیت یا اطاعت کا ملنا شریک ہے۔

(۲) خدا کی کتاب کی اطاعت کرنے کے لئے ایک زندہ انتھارٹی کی ضرورت۔

(۳) یہ انتھارٹی، امت کے باہمی مشورہ سے وجود میں آئے گی عظیم رسالت کے بعد مامورین میں اللہ کا درختم ہو گیا۔

(۴) یہ مرکزی انتھارٹی قرآن کے احکام نافذ کرے گی جن کی تعمیل کرنا، عمال حکومت کا فریضہ ہوگا۔ ان کی تعمیل کے سبب طرق و اسالیب زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ (عند الضرورت) بدلتے رہیں گے لیکن قرآنی احکام و اصول ابدی طور پر غیر متبدل ہوں۔

یہی وہ طریق ہے جس سے اسلام کا احیاء ہوگا اور توحید کا نقش ثبت۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے اسلام کے احیاء کی کوششیں کیوں نہ کی جائیں، اس سے ہم اسلام سے اور دور ہوتے چلے جائیں گے، اور ہماری امت ویسی کی ویسی رہے گی جس کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ

وَمَا يُدْعِيهِمْ اَنِتَرَهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مَشْرِكُوْنَ (۱۲)

ان کی اکثریت ایسی ہے جو مومن کہلاتے ہوئے بھی مشرک کے مشرک رہتے ہیں۔

یاد رکھیے! بتوں کو خدا بنا لینا اگر شرک ہے تو انسانوں کو خدا بنانا بڑا شرک عظیم! توحید لا یشرک فی حنیفہ آخدا۔ ہے۔ فالص اور صرف احکام خداوندی کی اطاعت۔